1

اپنے دوستوں میں صداقت معلوم کرنے کی ایک لگن اور سنجیدگی کے ساتھ غوروفکر کرنے کی عادت ڈالنے کی کوشش کرو

اپنے آپ کو سلسلہ کے لیے مفید وجود بناؤ اور مختلف پیشوں خصوصاً تجارت کو اختیار کرنے کی طرف توجہ دو

(فرمودہ 6 جنوری 1956ء بمقام رتن باغ لاہور)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''چند دن ہوئے یہاں کے مبلغ ربوہ گئے تھے اور انہوں نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ لاہور کی جماعت کے جو سرکردہ ممبران ہیں وہ تبلیغ کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اُن سے تو میں نے کہا تھا کہ میرے لاہور جانے پر اگر آپ اُن لوگوں کے سامنے مجھ سے بات کرتے تو میں آپ کی موجودگی میں اُن لوگوں سے دریافت کرتا۔ اب اکیلے بات کرنے سے کیا فائدہ؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ واقعات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ لاہور کے سرکردہ احباب کو تبلیغ کی طرف بہت کم توجہ ہے۔ حالانکہ یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو سرکردہ احباب ہیں اُن میں

سے اکثر گورنمنٹ کے ملازم نہیں۔ اور گورنمنٹ نے جو اعلان کیا تھا اور اس کی ہم نے تصدیق کی تھی وہ گورنمنٹ کے ملازمین کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ لیکن یہاں کے امیر چودھری اسد اللہ خان صاحب بیرسٹر ہیں جو گورنمنٹ کے ملازم نہیں۔ وہ اگر اپنے دوستوں اور تعلقات رکھنے والے لوگوں سے اپنے خیالات کا اظہار کریں تو نہ گورنمنٹ کی طرف سے ان پر کوئی اعتراض وارد ہوتا ہے اور نہ پبلک کی طرف سے ان پر کوئی اعتراض ہوسکتا ہے۔ ان سے پہلے شیخ بشیر احمد صاحب لاہور کی جماعت کے امیر تھے۔ وہ بھی گورنمنٹ کے ملازم نہیں۔ وہ ایک کامیاب پریکٹشنر (PRACTITIONER) ہیں اور ان کا حلقہ اثر بہت وسیع ہے۔ وہ بھی اپنے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگوں کو سنجیدگی سے اپنے خیالات پہنچا سکتے ہیں اور پھر اُن کو احمدیت کے متعلق تحقیق کی تحریک ہوسکتی ہے۔

کسی زمانہ میں چودھری ظفراللہ خان صاحب لاہور کی جماعت کے امیر تھے اور میں جب کبھی یہاں آتا تھا تو اُنہی کے گھر ٹھہرتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اُن دنوں جب بھی میں یہاں آتا تھا ملنے والوں کا برابر تانتا بندھا رہتا تھا۔ لوگ میری باتیں سننے کے لیے آ جاتے تھے اور یہ بہرحال چودھری ظفراللہ خان صاحب کی سنجیدگی کا اثر تھا کہ لوگ اُن کی باتیں سنتے تھے اور جب کبھی میں یہاں آتا تھا تو اُن کے دوستوں کو خیال آتا تھا کہ وہ مجھ سے مل لیں۔ لیکن اب ایسا نہیں ہوتا۔ اب مجھے یہاں پہلے کی نسبت زیادہ عرصہ تک ٹھہرنے کا موقع ملتا ہے لیکن میں نے اپنے قیام کے دوران میں کبھی بھی سنجیدہ اور تعلیم یافتہ لوگوں کو نہیں دیکھا کہ وہ میری ملاقات کے لیے آئے ہوں اور انہوں نے مجھ سے احمدیت کے متعلق کوئی بات پوچھی ہو یا قرآن کریم کے متعلق کوئی سوال دریافت کیا ہو یا مذہب کے متعلق گفتگو کی ہو یا وقتی ضروریات کے متعلق کوئی بات دریافت کی ہو۔ حالانکہ کراچی میں جب بھی میں جاتا ہوں وہاں پر ہر قسم کے لوگ میری ملاقات کے لیے آتے ہیں۔ اُن میں نہ صرف پبلک کے سرکردہ لوگ ہوتے ہیں بلکہ گورنمنٹ کے اعلیٰ ملازم بھی ہوتے ہیں۔ اِس دفعہ جب میں کراچی گیا تو میں بیمار تھا لیکن اس سے قبل جب میں وہاں گیا تھا تو مجھے یاد ہے کہ سِوِل سکریٹریٹ کے دس گیارہ ممبر اور سنٹرل سکریٹریٹ کے بہت سے لوگ مجھے ملنے کے لیے آئے تھے۔ میرے خیال میں اُن

کی تعداد دو تین درجن ہو گی۔

دنیا میں رہنے کے لیے ایک دوسرے سے بھائی چارا کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ بھائی چارا سنجیدگی سے ہونا چاہیے۔ اگر کسی سے صرف ہنسی مذاق کر لیا جائے اور جب وہ جُدا ہو تو اُس کا خیال دل سے نکال دیا جائے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اگر اپنے دوستوں اور ملنے جُلنے والوں سے سنجیدہ باتیں کی جائیں اور اُن کے اندر صداقت معلوم کرنے اور اس کے متعلق غور اور فکر کرنے کی لگن پیدا کی جائے تو خودبخود اُن کے اندر یہ خواہش پیدا ہو گی کہ وہ تمہاری باتیں سنیں۔ اور جب کبھی تمہارا مبلغ یا امام یہاں آئے تو اُس سے بھی ملاقات کریں اور اُس کی باتیں سنیں۔ پس یہاں کے احباب کو اپنی اس ذمہ داری کو نہیں بھلانا چاہیے۔ لاہور ایک اہم جگہ ہے اور اب اسے اَور بھی زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی ہے کیونکہ مغربی پاکستان کے ایک یونٹ بن جانے پر یہ اس کا دارالخلافہ ہو گیا ہے۔ اِس وقت پاکستان میں کراچی سے اُتر کر لاہور اور ڈھاکہ کو جو پوزیشن حاصل ہے وہ کسی اَور شہر کو حاصل نہیں۔ اس لیے یہاں کی جماعت کے جو ذمہ دار لوگ ہیں انہیں خصوصیت سے ان امور کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ دنیا میں انسان کی زندگی محدود ایام کی ہے۔ اگر اس کو بھی ضائع کر دیا جائے تو دنیا میں انسان نے دوبارہ تو نہیں آنا۔ موت کے آنے تک اُس نے جو کچھ کر لیا سو کر لیا۔ اس کے بعد اعمال کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی مختصر زندگی سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرے اور اس مختصر وقت کو کسی صورت میں بھی ضائع نہ کرے۔

پس یہاں کے تمام احباب کو چاہیے کہ وہ اس امر کی طرف توجہ کریں اور اپنے دوستوں کے ساتھ سنجیدگی کے ساتھ باتیں کیا کریں اور اس طرز سے باتیں کیا کریں کہ اُن میں سچائی معلوم کرنے کی لگن پیدا ہو جائے۔ جب اُن میں سچائی معلوم کرنے کی لگن پیدا ہو جائے گی تو جہاں بھی انہیں سچائی نظر آئے گی وہ اُسے قبول کر لیں گے۔ ضرورت صرف اِس بات کی ہے کہ انسان کے اندر لگن پیدا ہو جائے کیونکہ جب کسی کے اندر لگن پیدا ہو جاتی ہے تو وہ کسی کے روکنے کی وجہ سے رُکتا نہیں بلکہ وہ تحقیقِ حق کے لیے دوڑتا ہے اور خود اس کے متعلق سوالات کرتا ہے۔

دیکھو! مدینہ کے لوگ مکہ آتے تھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ انہیں ملنے کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ اُن میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن پر آپ کی باتوں کا اثر ہوا اور انہوں نے واپس جا کر اپنے شہر والوں سے ان باتوں کا ذکر کیا۔ چنانچہ اگلے سال اَور زیادہ تعداد میں مدینہ کے لوگ مکہ آئے۔ وہ مکہ کی گلیوں میں پھرتے رہے۔ مکہ والوں نے انہیں دھوکا میں رکھنا چاہا اور حقیقت پر کئی پردے ڈالے لیکن آخر انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر ہی لیا۔ آپؐ نے اُن سے باتیں کیں اور ان باتوں کے نتیجہ میں مدینہ والوں نے حق کو قبول کر لیا لیکن پہلی دفعہ یہی فیصلہ ہوا تھا کہ شہر سے باہر نکل کر کسی علیحدہ جگہ میں ملاقات کی جائے کیونکہ وہ لوگ ڈرتے تھے کہ کہیں مکہ والے اُن کی مخالفت نہ کریں لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے باتیں کیں اور اُن پر حق کُھل گیا تو انہوں نے بلند آواز سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اِتنی بلند آواز سے نعرہ تکبیر کہا ہے کہ ممکن ہے مکہ والوں کو پتا لگ جائے کہ تم کس نیت سے یہاں آئے ہو۔ انہوں نے کہا یَا رَسُولَ اللہ! جب تک ہمیں حقیقت کا صحیح طور پر پتا نہیں تھا اُس وقت تک ہم بھی اسے چھپانے کی کوشش کرتے تھے لیکن اب جبکہ حقیقت ہم پر واضح ہوگئی ہے ہم اسے چھپا نہیں سکتے۔ پس جب انسان کے اندر صداقت کے معلوم کرنے کی لگن پیدا ہو جاتی ہے تو وہ آپ ہی آپ صداقت معلوم کرتا رہتا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ نواب محمد دین صاحب مرحوم نے جب بیعت کی تو اُس وقت وہ ریاست مالیر کوٹلہ میں ملازم تھے اور کونسل آف سٹیٹ کے ممبر بھی تھے۔ بیعت کے وقت آپ نے کہا میں یہاں سے ریٹائر ہو جاؤں تو مجھے ملازمت کے لیے کسی اَور ریاست میں جانا پڑے گا۔ اس لیے آپ مجھے ابھی اپنی بیعت مخفی رکھنے کی اجازت دیں۔ چنانچہ میں نے انہیں بیعت کو مخفی رکھنے کی اجازت دے دی۔ بیعت کے بعد وہ شملہ چلے گئے۔ مجھے بھی اُن دنوں چند دنوں کے لیے تبدیلیٔ آب و ہوا کی خاطر شملہ جانے کا موقع ملا۔ نواب صاحب نے مجھ سے کہا آپ روز بروز کہاں شملہ آتے ہیں، میں اَور تو کوئی خدمت نہیں کرسکتا ہاں! اتنا کرسکتا ہوں کہ بڑے بڑے لوگوں کو چائے پر بُلا کر آپ کا اُن سے تعارف کرا دوں۔ چنانچہ انہوں نے

ایک دعوت کا انتظام کیا۔ میں بھی وہاں چلا گیا۔ انہوں نے بڑے بڑے آدمی وہاں بلائے ہوئے تھے۔ میں اِس انتظار میں تھا کہ کوئی اعتراض کرے تو میں اس کا جواب دوں کہ نواب صاحب کھڑے ہو گئے اور انہوں نے حاضرین کا شکریہ ادا کرنے کے بعد اِس طرح بات شروع کی کہ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ امام جماعت احمدیہ یہاں تشریف لائے ہیں۔ جو شخص کسی قوم کا لیڈر ہوتا ہے ہمیں اُس کا احترام کرنا چاہیے۔ وہ ہمیں دین کی باتیں سنائیں گے خواہ ہم مانیں یا نہ مانیں ان سے ہمیں فائدہ پہنچے گا۔ اِس کے بعد وہ تقریر کرتے ہوئے یکدم جوش میں آ گئے اور کہنے لگے اِس زمانہ میں خداتعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو مبعوث کیا ہے اور اُس نے دعوٰی کیا ہے کہ میں خداتعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں۔ یہ دعوٰی کوئی معمولی دعوٰی نہیں۔ اگر وہ اپنے اس دعوٰی میں سچا ہے اور ہم نے اسے قبول نہ کیا تو لازماً ہم خداتعالیٰ کے مجرم ہوں گے اور اُس کا عذاب ہم پر آئے گا۔ اس لیے آپ لوگوں کو سنجیدگی سے اس کے دعوٰی پر غور کرنا چاہیے۔ جب نواب صاحب اپنی تقریر ختم کر کے بیٹھ گئے تو میں نے اُن سے کہا آپ نے تو اپنی بیعت کو مخفی رکھنے کی اجازت لی تھی اور میں نے آپ کو اجازت دے دی تھی۔ لیکن اِس وقت آپ نے خود ہی اسے ظاہر کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا مجھے تقریر کرتے کرتے جوش آ گیا تھا اس لیے میں ضبط نہیں کر سکا۔ غرض دوستوں کو چاہیے کہ وہ تبلیغ کی طرف توجہ کریں اور دوسروں تک سنجیدگی سے اپنے خیالات کو پہنچائیں۔

مجھے یاد ہے کہ پہلے پہلے جب میں لاہور آیا کرتا تھا تو گُمٹی والی مسجد میں نماز ہوتی تھی۔ اِس وقت اگلی صف میں جتنے دوست بیٹھے ہیں اُس وقت سارے لاہور میں قریباً اتنے ہی احمدی ہوتے تھے لیکن اب جمعہ کی نماز میں بعض دفعہ یہاں پندرہ پندرہ سَو دوست جمع ہو جاتے ہیں بلکہ ان کی تعداد اس سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ ممکن ہے آج بھی اِس قدر لوگ موجود ہوں لیکن کھلی جگہ ہونے کی وجہ سے وہ زیادہ معلوم نہ ہوتے ہوں۔ بہرحال جمعہ کی نماز میں اڑھائی اڑھائی سَو کی تعداد میں سائیکل ہی ہوتے ہیں۔ ابھی مجھے کسی نے بتایا ہے کہ پچھلے جمعہ کے موقع پر بارہ موٹریں اور ایک بڑی تعداد میں سائیکلیں اور موٹر سائیکلیں جمع ہو گئی تھیں۔ غرض جب گُمٹی والی مسجد میں نماز ہوتی تھی اُس وقت جماعت کی تعداد یہاں بہت تھوڑی تھی لیکن اب

اللہ تعالیٰ نے اس کی تعداد بہت بڑھا دی ہے اور اب موجودہ جماعت کو خیال کرنا چاہیے کہ اُس وقت کے پچاس ساٹھ احمدیوں نے اپنی زندگیوں کو سدھارا اور دوسروں تک اپنے خیالات کو سنجیدگی سے پہنچایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صرف جمعہ کی نماز میں آنے والے احمدیوں کی تعداد پچاس سے بڑھ کر پندرہ سَو تک پہنچ گئی۔ اگر تم بھی ان لوگوں کی طرح اپنی زندگیوں کو سدھارتے اور اپنے خیالات سنجیدگی سے دوسروں تک پہنچاتے تو تم پندرہ سَو سے پینتالیس ہزار بن جاتے۔ لاہور کے شہر کو اللہ تعالیٰ نے احمدیت کے ابتدائی زمانہ سے ہی اس کی تبلیغ کا مرکز بنایا ہے۔

میں ابھی بچہ ہی تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لاہور تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ یہاں تشریف لائے، میں بھی ساتھ تھا۔ مسجد وزیر خان کے قریب ایک دوست کے ہاں آپ کی دعوت تھی۔ میری عمر اُس وقت بہت چھوٹی تھی۔ صرف سیر کی وجہ سے میں ساتھ آ گیا تھا۔ دعوت سے فارغ ہو کر جب ہم باہر نکلے تو دہلی دروازہ سے نکلتے وقت اس زمانہ میں دائیں طرف ایک پیپل کا درخت تھا۔ اُس درخت کے پاس ہجوم بہت زیادہ تھا۔ ہمیں دیکھ کر لوگوں نے گالیاں دینی شروع کر دیں اور بہت شور بلند کیا۔ جب ہم پیپل کے پاس سے گزرے تو اُس وقت جو لوگ جمع تھے اُن میں سے کسی نے کہا کہ تم یہ کہو کہ ''ہائے ہائے''۔ گویا مرزا صاحب فوت ہو گئے ہیں۔ میں بہت حیران تھا کہ لوگ اتنا شور کیوں کرتے ہیں اور ہمیں کیوں گالیاں دیتے ہیں۔ مجھے یہ نظارہ خوب یاد ہے کہ اُس وقت ایک شخص جو مولوی طرز کا معلوم ہوتا تھا اور ٹُنڈا تھا وہ اپنا دوسرا ہاتھ ٹُنڈ پر مار کر ''ہائے ہائے'' کی آواز بلند کر رہا تھا۔ بچپن کی وجہ سے مجھے یہ عجیب تماشا معلوم ہوتا تھا اور میں اسے شوق سے دیکھتا تھا لیکن بعد میں مجھے کسی نے بتایا کہ یہ ہجوم حضرت صاحب کی مخالفت کی وجہ سے جمع ہو گیا تھا اور اپنی اس مخالفت کی وجہ سے آپ کو گالیاں دے رہا تھا۔ گویا کسی وقت وہ زمانہ تھا کہ یہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لایا کرتے تو آپ کو گالیاں دینے کے لیے لوگ رستوں پر جمع ہو جاتے تھے۔ لیکن اُس وقت کے احمدیوں کا ایمان تازہ تھا، اُن میں اخلاص اور جوش پایا جاتا تھا، وہ سچے دل سے باہر نکلے اور انہوں نے تبلیغ کے رستہ میں سچا جذبہ دکھایا اور خدا تعالیٰ نے بھی ان کی کوششوں میں برکت دی اور ان کی تعداد کو ہزاروں تک پہنچا دیا۔

نیلا گنبد کو ہی لے لو اِس وقت اس علاقہ میں بہت سے احمدی آباد ہیں لیکن کسی زمانہ میں یہاں مستری محمد موسٰی صاحب اکیلے آئے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں ہی اتنی برکت دی ہے کہ ان کی تعداد پچاس سے زیادہ ہے اور پھر انہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کر لی ہے۔ اِسی طرح منشی محبوب عالم صاحب ان کے کلرک تھے۔ ان کا خاندان بھی احمدی ہو گیا۔ اب خداتعالیٰ کے فضل سے ان دونوں کی اولاد اتنی ہے کہ اس کی تعداد لاہور کی پرانی جماعت کی تعداد سے زیادہ ہے۔

تو یاد رکھو! کہ نہ صرف اللہ تعالیٰ مومنوں کی کوششوں کو ضائع نہیں کرتا بلکہ وہ ان کی اولادوں کو بھی بڑھاتا ہے۔ پس تم اپنے آپ کو سلسلہ کے لیے مفید وجود بناؤ اور ایسا مفید وجود بناؤ کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دوستوں، رشتہ داروں اور ملنے والوں کو ایک سے ہزار کر دے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی تھی کہ

"اک سے ہزار ہوویں"۔1

یہ دعا آپ کی صرف جسمانی اولاد کے متعلق نہیں ہوسکتی کیونکہ جسمانی اولاد ایک سے ہزار بہت کم ہوتی ہے۔ ایک سے ہزار روحانی اولاد ہوتی ہے۔ سو یہ دعا تمہارے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے کہ تم ایک سے ہزار ہو جاؤ۔ لیکن جس طرح لاہور کی جماعت کے سرکردہ احباب کام کر رہے ہیں اس کے نتیجہ میں تو وہ ایک سے دو بھی نہیں ہو سکتے۔ اگر تم ایک سے ہزار ہوتے تو اس وقت لاہور میں جماعت احمدیہ کی تعداد پندرہ لاکھ ہوتی۔ اس وقت لاہور کی کُل آبادی دس لاکھ ہے۔ گویا اگر جماعت کی تعداد ایک سے ہزار کی صورت میں ترقی کرتی تو وہ لاہور کی موجودہ تعداد سے ڈیوڑھی ہوتی۔

پھر تم اپنے کاموں میں بھی توسیع کرو۔ سارے لوگوں کو نوکریوں کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے۔ بلکہ انہیں دوسرے کاموں کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے۔ مثلاً تجارت کا پیشہ بہت اہم ہے۔ لیکن ہماری جماعت کی اس طرف بہت کم توجہ ہے۔ میں نے رؤیا میں دیکھا ہے کہ میرے ہاتھ میں ایسے لوگوں کا فائل ہے جو سلسلہ کے مخالف ہیں۔ اُس فائل میں کچھ باتیں ہمارے خلاف لکھی ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ باتیں انہوں نے اپنا بجٹ بننے کے بعد لکھی ہیں۔

پھر میں کہتا ہوں ہماری جماعت کو بھی چاہیے کہ وہ تجارت میں لگ جائے۔ اس کے بعد میں کہتا ہوں یا کسی اَور دوست نے مجھ سے کہا ہے کہ تاجر لوگ بہت کم چندہ دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ تاجروں کو شروع سے ہی تحریک کر کے چندہ کی عادت ڈالنی چاہیے۔ رؤیا میں مَیں دیکھتا ہوں کہ گویا کوئی شخص مجھ سے کہتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں تو احمدی تاجروں نے بڑی قربانی کی تھی۔ چنانچہ اُس زمانہ میں سیٹھ عبدالرحمان صاحب مدراسی اور شیخ رحمت اللہ صاحب نے بہت بڑی خدمت کی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ تاجر طبقہ کو شروع سے ہی چندہ دینے کی عادت ڈالنی چاہیے تا کہ جوں جوں ان کی تجارت بڑھے چندے بھی بڑھیں اور سلسلہ کی مالی حالت مضبوط ہو۔ پس جماعت کے جو امیر ہوتے ہیں ان کا صرف یہی کام نہیں ہوتا کہ وہ امیر کہلائیں۔ بلکہ امیر بن جانے کے بعد اُن پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں۔ مثلاً میں خلیفہ ہوں بظاہر میرا کام یہ نہیں کہ میں جماعت کے لوگوں کو یہ کہوں کہ تم زراعت کرو، تجارت کرو یا تعلیم حاصل کرو لیکن جماعت کے مستقبل کو مضبوط بنانے کے لیے میں وقتاً فوقتاً ایسی تحریکیں کرتا رہتا ہوں۔ امیر کا بھی یہی کام ہے کہ وہ محض امیر نہ کہلائے بلکہ وہ ہر وقت یہ سوچتا رہے کہ جماعت کی اقتصادی، معاشی، دینی، تمدنی، تعلیمی اور اخلاقی حالت کو کس طرح ترقی دی جا سکتی ہے۔ اِس میں خدمتِ خلق کی عادت کو کس طرح بڑھایا جا سکتا ہے۔ امیر کی مثال گویا ایک چوراہا کی سی ہے جس سے دوسری سڑکیں پھٹتی ہیں۔ جس طرح ایک چوراہا سے مختلف رستے علیحدہ ہوتے ہیں اور اس سے لوگ مختلف رستوں میں بٹ جاتے ہیں۔ اِسی طرح ہر جماعت کے امیر کو بھی چاہیے کہ وہ جماعت کے بعض لوگوں کو نوکریوں کی طرف لے جائے، بعض کو تجارت پر لگائے، بعض کو صنعت و حرفت کی طرف متوجہ کرے، بعض کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے پر زور دے اور مجموعی طور پر جماعت میں خدمتِ خلق کی عادت پیدا کرے۔ گویا امیر صرف چوراہا ہی نہیں بلکہ وہ دس راہا، بیس راہا، پچاس راہا یا سَو راہا ہو۔ وہ جماعت کے دوستوں کو سینکڑوں طرف پھراتا رہے۔ امیر کی حیثیت ایک جرنیل کی سی ہے۔ اور جرنیل کا صرف یہی کام نہیں ہوتا کہ دیکھے کہ سپاہی کس طرح چلتا ہے بلکہ وہ سپاہی کو مناسب طریق پر چلاتا ہے۔ اسی طرح امیر کا بھی

یہی کام ہے کہ وہ اپنی جماعت کے لوگوں کو مناسب اور مفید کاموں پر لگائے۔ بعض کو نوکریوں پر لگا دے، بعض کو تجارتوں میں لگا دے، بعض کو صنعت و حرفت میں لگا دے۔ غرض وہ جماعت کی اس طور پر تنظیم کرے کہ نہ صرف موجودہ جماعت کی مالی حالت سَو گُنا ترقی کر جائے بلکہ اس کی تعداد بھی سَو گُنا بڑھ جائے تا آئندہ آنے والا سال انہیں ایک مضبوط ستون کی طرح بنا دے۔ پچھلے دنوں مجھے یہ پتا لگا تھا کہ لاہور کی جماعت کا چندہ چھیانوے ہزار روپے سالانہ ہے اور کراچی کا چندہ ایک لاکھ روپیہ۔ لیکن اب مجھے بتایا گیا ہے کہ لاہور کی جماعت کا چندہ تو ایک لاکھ سے کچھ اوپر ہے اور کراچی کی جماعت کا چندہ ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ تک پہنچ چکا ہے۔ اِس سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کس طرح کوشش کرنے والوں کی مدد کرتا ہے۔ پس تم جماعت کی اخلاقی، تمدنی اور مالی حالت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے کی کوشش کرو۔

ہماری جماعت کی توجہ تجارت کی طرف بہت کم ہے حالانکہ یہی ایک چیز ہے جو کسی جماعت یا قوم کو پھیلنے میں مدد دیتی ہے۔ ہمارے کچھ آدمی جو باہر ہیں وہ تاجر ہی ہیں۔ اس وقت انگلینڈ میں ڈیڑھ سَو کے قریب ایسے لوگ ہیں جو پھیری وغیرہ کا کام کرتے ہیں۔ ملازم ہر جگہ نہیں جا سکتا۔ لیکن تجارت میں پھیلنے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کی گنجائش ہے۔ تاجر کا کیا ہے اگر لوگ اُسے دکھ دیں تو وہ اپنا بیگ اُٹھاتا ہے اور کہتا ہے اچھا! ہم آگے چلے جاتے ہیں۔ نوکر یہ نہیں کر سکتا کیونکہ اُس کی نوکری جاتی ہے۔ اِسی طرح زمیندار لوگ بھی ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ ان کی زمین پیچھے پڑی ہوئی ہوتی ہے لیکن تاجر اور پیشہ ور لوگ آزاد ہوتے ہیں۔ وہ جہاں چاہیں اور جس وقت چاہیں جا سکتے ہیں۔ دنیا میں جہاں جہاں بھی چھوٹے پیشوں اور تجارتوں کو بُرا نہیں سمجھا جاتا وہاں انہیں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ دیکھو! چند دن ہوئے فرانس میں عام انتخابات ہوئے ہیں۔ ان میں چھوٹے تاجروں کی جماعت ہی کامیاب رہی ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ تاجر کسی کا دباؤ نہیں مانتا۔ پس جماعت میں تجارت کی تحریک کرنی چاہیے۔ چاہے وہ تجارت کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو۔ یورپ میں تو بڑے بڑے تعلیم یافتہ لوگ پھیری کا کام کر لیتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ اس سے ترقی کر لیتے ہیں لیکن ہمارے ملک میں ہر کوئی یہی کہتا ہے کہ وہ تھانیدار ہو جائے۔ ہمارے ایک دوست تھے

جو بعد میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس ہو کر فوت ہوئے ہیں۔ وہ ڈبل ایم۔اے تھے۔ انہوں نے ای۔اے۔سی کے لیے کوشش کی اور جب انہیں اس میں کامیابی کی امید ہوئی تو وہ اپنی والدہ کے پاس گئے اور اُسے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں ای۔اے۔سی ہو جاؤں۔ والدہ نے کہا نہ بیٹا! جب سے تم نے ہوش سنبھالا ہے میری یہی خواہش رہی ہے کہ تم تھانیدار ہو جاؤ۔ وہ بھی بڑے سعید تھے انہوں نے پولیس میں درخواست دی اور تھانیدار ہو گئے۔ وہ مالی لحاظ سے اکثر بڑی تکلیف میں رہتے تھے اور جب کبھی وہ اس کی شکایت کرتے میں انہیں یہی کہتا کہ آپ اپنے شوق کی وجہ سے پولیس میں ملازم ہوئے تھے اب ان تکالیف کو برداشت کریں۔ آخر میں خدا تعالیٰ نے فضل کیا اور وہ ڈی۔ایس۔پی ہو گئے۔ وہ لاہور کے ضلع سے ہی ریٹائر ہوئے تھے۔ ریٹائرمنٹ کے وقت وہ قصور میں مقرر تھے۔

غرض خدا تعالیٰ نے دنیا میں مختلف قسم کے پیشے بنائے ہیں جن میں سے ایک ملازمت بھی ہے لیکن ملازمت میں ترقیات بہت محدود ہوتی ہیں۔ دوسرے پیشوں میں ترقی کی بہت زیادہ گنجائش ہے۔ مثلاً تجارت ہے اسے چھوٹے پیمانہ سے بھی شروع کیا جائے تب بھی اس میں ترقی کے بہت زیادہ امکانات ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شروع شروع میں تکلیف ہوتی ہے لیکن آخر ایک وقت آتا ہے جب تجارت بڑھ جاتی ہے اور تکلیف کی بجائے کشائش اور فراوانی میسر آ جاتی ہے۔ پس جماعت کے دوستوں کو صرف نوکریوں کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے بلکہ تجارت کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے۔ ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کو چھوٹی چھوٹی تجارتوں سے گھبرانا نہیں چاہیے کیونکہ ان چھوٹی چھوٹی تجارتوں سے ہی ترقی کر کے انسان بڑی تجارتوں کا مالک بن جاتا ہے۔

لارڈ نفیلڈ2 کو لے لو اس نے شروع شروع میں سائیکل مرمت کرنے کی معمولی سی دکان کھولی تھی۔ پھر اس سے ترقی کی اور بعد میں ''لورپس'' کار نکالی اور ایک وقت ایسا آیا کہ اس کی مالی حالت اتنی مضبوط ہو گئی کہ پچھلی جنگِ عظیم میں اس نے حکومت کو دو لاکھ پونڈ بطور امداد دیئے حالانکہ شروع شروع میں اس نے سائیکل مرمت کرنے کی ایک معمولی سی دکان کھولی تھی۔

غرض اللہ تعالیٰ کے فضل سے تجارت میں بہت برکت ہے۔ اس لیے دوستوں کو زیادہ سے زیادہ اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے اور اپنی اولاد کی اس رنگ میں تربیت کرنی چاہیے کہ وہ کسی چھوٹے سے چھوٹے پیشہ کو بھی حقارت کی نظر سے نہ دیکھے۔ اور یاد رکھیں کہ یہ چھوٹے چھوٹے پیشے ہی انسان کو بڑی بڑی تجارتوں کی عقل سکھاتے ہیں۔ مثلاً ایک آدمی سائیکلوں اور موٹروں کی مرمت کا کام کرے تو کچھ عرصہ بعد وہ سائیکلیں اور موٹریں رکھنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسے پتا ہوتا ہے کہ ہر ایک پرزہ کی کیا کیا قیمت ہے اور اسے کس طرح سنبھال کر رکھا جا سکتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ ترقی کر جاتا ہے۔

مجھے یاد ہے حضرت نانا جان کو مستری محمد موسیٰ صاحب سے بہت محبت تھی۔ آپ جب بھی لاہور تشریف لاتے اُنہی کے ہاں ٹھہرتے۔ ایک دفعہ آپ لاہور تشریف لائے تو میں بھی ساتھ تھا۔ آپ مستری صاحب کے مکان پر ہی ٹھہرے۔ وہ ہمارے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ یکدم باہر نکلے۔ چٹھی رساں آیا تھا اور اس نے ایک تار انہیں دی تھی۔ وہ پھر اندر آئے اور نانا جان سے کہنے لگے نانا جان! مجھے پانچ منٹ کی اجازت دیں میں نے ایک ضروری کام کرنا ہے۔ چنانچہ انہوں نے سائیکل لیا اور جلدی سے باہر چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے تو سانس پھولا ہوا تھا اور جسم پسینہ سے شرابور تھا۔ آتے ہی کہنے لگے نانا جان! ایک منٹ کی دیر کی وجہ سے پندرہ بیس ہزار روپیہ ہاتھ سے نکل گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا مستری صاحب! یہ کیسے؟ تو مستری صاحب نے بتایا کہ فلاں سائیکل کی قیمت یکدم بڑھ گئی تھی۔ مجھے تار کے ذریعہ اس کی اطلاع ملی۔ تار مجھے دوسرے سائیکل کے تاجروں سے پہلے مل جاتا ہے۔ میں نے خیال کیا کہ انہیں اطلاع ملنے سے پہلے پہلے میں ان میں سے کسی کے پاس چلا جاؤں اور اُس سے سارے سائیکلوں کا سَودا کر لوں۔ چنانچہ میں فوراً سائیکل لے کر ایک تاجر کے پاس گیا اور اُسے پہلی قیمت پر ایک روپیہ زیادہ آفر (Offer) کیا تو وہ سارے سائیکلوں کا سودا کرنے پر تیار ہو گیا۔ سائیکل کی قیمت پہلے مثلاً پچانوے روپے تھی تو وہ ایک سو بیس روپے ہو گئی تھی۔ لیکن وہ چھیانوے روپے پر سودا کرنے پر راضی ہو گیا۔ لیکن ابھی وہ بیع نامہ تحریر کر ہی رہا تھا کہ اُسے بھی اطلاع مل گئی اور اس نے سودا کرنے سے

انکار کر دیا۔ اگر ڈاکیا وہاں ایک منٹ بعد آتا تو آج مجھے پندرہ بیس ہزار روپیہ کا فائدہ ہو جاتا۔ اب یہ واقفیت اُنہیں اِس چھوٹے کام کی وجہ سے ہی ہوئی جو انہوں نے شروع کیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں ترقی دے دی اور اب ان کی اولاد میں بھی بہت سے اچھے کمانے والے پیدا ہو گئے ہیں۔

پس تجارت کی وجہ سے شروع شروع میں اگرچہ دِقّت ہوتی ہے لیکن بالآخر انسان ترقی کر جاتا ہے۔ ہماری جماعت کو بھی اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔ اس وقت جو لوگ لاکھ پتی ہیں اُن میں سے اکثر چھوٹی چھوٹی تجارتوں سے ہی ترقی کر کے اس حالت تک پہنچے ہیں''۔

(الفضل 28 جنوری 1956ء)

1: درثمین اُردو صفحہ 38

2: لارڈ نفیلڈ: (William Morris,Ist Viscount Nuffield)

10/ اکتوبر 1877ء کو برطانیہ میں پیدا ہوا اور 22 اگست 1963ء کو فوت ہوا۔ اس نے 15 سال کی عمر میں ایک سائیکلوں کی دکان پر کام شروع کیا۔ 9 ماہ بعد اس نے اپنا سائیکل کا کاروبار شروع کر دیا۔ اس کام میں ترقی کی تو دکان بنالی ۔ اس نے پہلے موٹر سائیکل بنائی اور پھر لورپس نامی کار تک بناڈالی۔